ایک علمی سوال اور اس کا جواب

(۲)

از جناب مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

لیکن اس توجیہ میں دو باتیں قابلِ توجہ ہیں ایک یہ کہ سورۂ ہود اور سورۂ یونس کے درمیان تحدّی کا جو فرق ظاہر کیا گیا ہے وہ محلِ نظر ہے اسلئے کہ قرآنِ عزیز میں دونوں سورتوں سے متعلق آیاتِ تحدّی کو ایک ہی معیار سے وابستہ رکھا گیا ہے اور وہ "افترا" ہے (یعنی جبکہ مشرکین یہ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو خود گھڑ لیا ہے تو پھر ان کیلئے کیا مشکل ہے کہ وہ بھی اس جیسا کلام گھڑ کر پیش کردیں) اسی لئے دونوں مقامات میں اُن کے مقولہ کی تعبیر ایک ہی طرح کی گئی ہے "ام یقولون افتراہ" لہٰذا یہ اشکال پھر لوٹ آتا ہے کہ اگر سورۂ یونس کا نزول سورۂ ہود سے مقدم ہے تو "فاتوا بسورۃ من مثلہ" کے بعد "فاتوا بعشر سُوَرٍ مفتریات" کے کیا معنی؟ اسلئے کہ جو شخص ایک سورت نہیں بنا سکتا وہ دس سورتیں کیسے بنا لائیگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر شانِ نزول میں راجح و مرجوح کا مقابلہ کرکے ایک فیصلہ کن بات اختیار بھی کرلی جائے اور یہ کہدیا جائے کہ صحیح یہی ہے کہ بلحاظ نزول سورۂ ہود مقدم ہے اور سورۂ یونس مؤخر اور اسلئے دس سورتوں کی تحدّی کا معاملہ پہلے ہے اور ایک سورۃ کا بعد میں، تب بھی اس توجیہ اور مفسرین کی سابق توجیہ (دونوں کے متعلق ایک سب سے بڑا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تمام توجیہات اس شخص کیلئے اگرچہ باعث تسکین ہوسکتی ہیں جو سورتوں اور آیتوں کے شانِ نزول پر کماحقہ نظر رکھتا ہے اور جو شخص شانِ نزول سے قطع نظر صرف ترتیبِ قرآنی پر نظر کرکے مسئلہ کو حل کرنا چاہئے اس کے سامنے پیدا شدہ اشکال کا آجانا لازمی ہے

اسلئے اعجازِ قرآنی اور اسلوبِ حکیمانہ کے پیشِ نظر ان آیات کی توجیہ ایسے طریق پر ہونی چاہیئے کہ تلاوتِ قرآن کی الہامی ترتیب کے مطابق بھی اگر کوئی شخص اس مسئلہ کو حل کرنا چاہے تو اس کیلئے بھی قابلِ اطمینان حل نکل آئے۔

اور یہ بات صرف اسی جگہ اہمیت نہیں رکھتی بلکہ قرآنِ عزیز کے تمام مواقع میں بہت اہم ہے اسلئے کہ شانِ نزول ہم کو صرف اس قدر مدد دیسکتا ہے کہ اس سے کسی سورت یا کسی آیت کے نزول کی ابتدائی تاریخ معلوم ہوجائے اور یہ پتہ مل جائے کہ اس آیت یا سورت کا مصداق کیسے امور ہوسکتے ہیں تاکہ آئندہ استنباط اور اجتہاد کی راہ سے اس قسم کے تمام امور کو اس آیت یا اس سورۃ کے مصادیق بنانے میں مدد مل سکے، اس سے زیادہ شانِ نزول کی افادیت نہیں ہے چنانچہ اسی بناء پر حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہؒ تفسیرِ آیات میں شانِ نزول کی اس قسم کو اس سے زیادہ اہمیت دینے کے قائل نہیں ہیں بہرحال کسی سورۃ یا کسی آیت کا نزول ایک دوسرے سے مقدم ہو یا موخر ان کے معانی و مطالب میں یہ حقیقت نمایاں رہنی چاہیئے کہ خواہ اسکو شانِ نزول کے لحاظ سے مطالعہ کیا جائے یا قرآنِ عزیز کی ترتیبِ توقیفی کے لحاظ سے دونوں حیثیتوں میں اس سورۃ یا آیت کے مفہوم و معنی میں مطابقت باقی رہے اور کسی قسم کا اختلال پیدا نہ ہو۔ ورنہ یہ صورت کہ شانِ نزول سے ایک آیت کے جو معنی سمجھے گئے اس سے قطع نظر جب الہامی ترتیب کے پیشِ نظر اس معنی کے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو وہ معنی نہ بن سکے اور اشکال پیدا ہوگیا کسی طرح جائز نہیں۔

پس تفسیرِ آیات و سُوَر میں جس شخص کے پیشِ نظر یہ حقیقت رہیگی وہی تفسیری لغزشوں سے محفوظ رہیگا ورنہ قدم قدم پر اس کیلئے دقتیں اور لغزشیں سنگِ راہ ثابت ہونگی۔

لہذا اس حقیقت کو اصول بناتے ہوئے آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآنِ عزیز نے اپنے اُن منکروں کیلئے جو اس کو خدا کا کلام نہیں مانتے، تحدی اور دعوتِ مقابلہ کا ایسا حکیمانہ اور معجزانہ اسلوب اختیار کیا جس کو ان قوموں اور جماعتوں کے سامنے بھی معقول طریقہ پر پیش کیا جا سکے جو اس نزول کے وقت براہِ راست مخاطب

تھیں اور ان قوموں اور جماعتوں کو بھی صحیح طریق پر چیلنج کیا جاسکے جو اگرچہ بعد میں آنیوالی ہیں لیکن انکار و جحود میں اگلوں ہی کے قدم بقدم ہیں یعنی مشرکین اور یہود و نصاریٰ میں سے جو قومیں ابتداءً مخاطب تھیں اور نزول کے وقت انکار و جحود میں انہماک رکھتی تھیں ان کیلئے سب سے پہلے قصص کی وہ آیت نازل ہوئی جس نے توراۃ کو قرآن کے ساتھ ملاکر مشرکینِ مکہ کو مقابلہ کی دعوت دی بعدازاں سورۂ اسراء میں اس تحدی اور چیلنج کو اس طرح دہرایا کہ توراۃ سے جدا صرف قرآنِ عزیز ہی کو معیارِ مقابلہ قرار دیا اور فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار کے مطابق اس مرتبہ دعوتِ مقابلہ کو پہلے سے زیادہ قوی کردیا یعنی پہلی آیت میں صرف معنوی حیثیت اور اب لفظی و معنوی دونوں حیثیات ملحوظ ہیں سورۂ قصص میں کہا تھا " فأتوا بکتاب من عند الله ھو اھدیٰ منھما " (تم اللہ تعالیٰ کے پاس سے ایسی کتاب لاؤ جو ان دونوں (قرآن و توراۃ) سے زیادہ ہادی ہو) اور سورۂ اسریٰ میں کہا " قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یأتوا بمثل ھذا القرآن لا یأتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا " (یعنی اگر جن و انس (ثقلین) سب ملکر بھی قرآن جیسی کتاب بنانا چاہیں تو ان کیلئے ایسا کرنا ناممکن ہے اور اس میں وہ عاجز و درماندہ رہیں گے) اور جب وہ پورے قرآن کے مقابلہ سے عاجز رہے تو ان پر تخفیف کی گئی ۔ اور ہود میں کہا گیا کہ اگر پورے قرآن کا مقابلہ کرنے سے عاجز و مجبور ہو تو اس جیسی دس ہی سورتیں بناکر مقابلہ کر دکھاؤ اور جب اس میں بھی وہ ناکام و خاسر رہے تو سورۂ یونس میں صرف ایک ہی سورۃ کو (چیلنج) کیلئے منتخب کردیا کہ چھوٹی سے چھوٹی ایک سورۃ ہی اس کے مقابلہ میں پیش کردو، اور جبکہ وہ اس دعوتِ مقابلہ میں بھی ہزیمت خوردہ ہوکر نادم و شرمسار رہ گئے تو اب مدنی زندگی میں یہود و نصاریٰ کے انکار و جحود کے وقت بھی یہی " ایک سورۃ " دعوت مقابلہ کا معیار قرار پائی تاکہ کسی مخالف کو بھی مجالِ سخن باقی نہ رہے ۔

اور بلاشبہ سورۂ ہود کا نزول سورۂ یونس پر مقدم ہے اور اسلئے تفسیر ابنِ کثیر، روح المعانی بحرِ محیط، طبری، خازن، اور المنار نے بھی اس کو راجح کہا ہے اور اگر سورۂ یونس کو مدنی یا صرف اس آیت کو مدنی تسلیم کرلیا جائے (جیسا کہ بعض ضعیف اقوال سے ثابت ہے) تب بھی تحدّی کا اسلوبِ بیان

اپنی جگہ اسی طرح مستحکم اور مستقیم ہے کیونکہ اس شکل میں تحدّی کو مضبوط اور محکم بنانے کیلئے بقرہ اور یونس ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

تحدّی اور چیلنج کا یہ حکیمانہ اسلوب نزولِ قرآن کے وقت جس طرح مستقیم رہا اسی طرح کامل نزول کے بعد الہامی ترتیب کی اس موجودہ شکل میں بھی مستقیم ہے اور یہ اس طرح کہ قرآنِ عزیز کی تلاوت کرنے والا سب سے پہلے سورۂ بقرہ کو پڑھتا ہے تو اس کے سامنے یہ مسئلہ آتا ہے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ کے اس کلام کو "کلام اللہ" نہیں مانتے تو اس کے مقابلہ میں اس جیسی ایک سورۃ بنا کر دکھاؤ۔ مگر یہ واضح رہے کہ تم ساری کائنات کو بھی جمع کر کے اس کے مقابلہ کی کوشش کروگے تب بھی ناکام اور نامراد رہوگے اس کے بعد وہ سورۂ یونس کی تلاوت کرتا ہے تو اس میں مخالفین کا یہ اعتراض سنتا ہے کہ قرآن ایک افترا ہے جو (العیاذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی جانب منسوب کر دیا ہے تو پھر اس کے جواب میں قرآن عزیز کی اس تحدّی (چیلنج) کو بھی دیکھتا ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ تمہارے قول کے مطابق یہ افترا ہے تب تو مقابلہ بہت زیادہ آسان ہے لہٰذا تم کو چاہئے کہ ایک سورۃ ہی گھڑ کر اس کے مقابلہ میں پیش کر دو تاکہ قرآن کا دعویٰ "کلام اللہ" جھوٹ ثابت ہو جائے مگر مخالفین کو یہ کہنے کا موقع پھر بھی رہتا تھا کہ ہم مقابلہ کرنے کیلئے تو آمادہ ہیں لیکن ایسے قرآن کا مقابلہ جو مختلف مباحث رکھتا ہو، کہ ایک جانب اگر اقوامِ ماضیہ کے وقائع ہیں تو دوسری جانب احکام و قوانین اور اگر ایک طرف اعتقادات و ایمانیات (الٰہیات) کی بحثیں ہیں تو دوسری جانب اعمال و اخلاق کی تفصیلات و تشریحات اور کسی جگہ آیاتِ محکمات کا تذکرہ تو کسی مقام پر متشابہات کا ذکر ہے لہٰذا ہم کو اتنی وسعت تو ملنی چاہیے کہ ان جیسی کتاب کے مقابلہ کو صرف ایک سورۃ ہی میں محدود نہ کر دیا جائے تب قرآنِ عزیز نے ان کو یہ سہولت دینے کیلئے اُس عدد کو تحدّی کیلئے منتخب فرمایا جو اہلِ عرب کے یہاں کثرتِ تعداد کیلئے عام طور پر بولا جاتا ہے یعنی فأتو بعشر سُوَر مفتریات" یعنی جاؤ دس سورتیں ایسی بنا لاؤ جو من گھڑت ہوں اور قرآن کا مقابلہ کرتی ہوں مگر وہ ناکامی کہ وہ اس سے بھی عہدہ برآ نہ ہو سکے اور دعوتِ مقابلہ کا کوئی جواب دینے سے قطعاً عاجز رہے مگر اپنے عجز اور

اپنی درماندگی وبیچارگی کو چھپانے اور اس پر پردہ ڈالنے کیلئے اس مرتبہ وہ یہ عذر کرسکتے تھے کہ دعوتِ مقابلہ میں گو وسعت ضرور پیدا کردی گئی تاہم قرآن میں بیان کردہ مطالب اور اسکی اس قدر کثیر چھوٹی بڑی سورتوں کے مختلف اسالیبِ بیان کے پیشِ نظر دس سورتوں کی تحدید بھی قرینِ انصاف نہیں ہے ہم مقابلہ کرنے کیلئے آمادہ ہیں اور دعوتِ مقابلہ کو قبول کرنے میں کوئی جھجک بھی اپنے اندر نہیں پاتے لیکن یہ ضرور چاہتے ہیں کہ ہم کو یہ اجازت ہونی چاہئے کہ اس جیسے قرآن کا پورا پورا مقابلہ کرکے دکھائیں تاکہ مقابلہ کی قوت کا صحیح احساس ہوسکے ورنہ تو ایک سورۃ یا دس سورتوں کے پیش کرنے میں ممکن ہے کہ مسلمانوں کی جانب سے یہ کہدیا جائے کہ ان میں قرآن عزیز کا فلاں اسلوبِ بیان نہیں پایا جاتا فلاں بحث تشنہ ہے اور عبارت کا یہ انداز بھی ناقص ہے لہٰذا مقابلہ بھی ناقص ہے پس درجاتِ مقابلہ کے اس فطری سوال کو سامنے رکھکر جب قاری قرآنِ عزیز کی تلاوت کرتا ہے تو سورۂ اسریٰ میں یہ پاتا ہے کہ " لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یأتوا بمثل ھذا القرآن لا یأتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا " (یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟) اگر جن وانس سب مل کر بھی چاہیں کہ قرآن جیسی کتاب بنالیں تو ایک دوسرے کی پوری پوری مدد کے باوجود بھی قرآن کا مقابلہ نہیں کرسکتے "۔ یعنی اپنے خیال کے مطابق تم پورے قرآن کا مقابلہ کرسکتے ہو تو ضرور ایسا کرو قرآن اس کیلئے بھی تم کو مہلت دیتا ہے مگر قرآن تم پر یہ واضح کئے دیتا ہے کہ ساری کائنات کے جن وانس بھی مل کر چاہیں کہ اس کا مقابلہ کریں تو ہرگز ہرگز نہیں کرسکتے۔

اس مقام تک پہنچ کر بھی جب وہ دعوتِ مقابلہ کی تاب نہ لاسکے اور ان کا انکار بے دلیل ہو کر رہ گیا تو ندامت وشرم کو بالائے طاق رکھکر ہمہ قسم کی ایذاء اور تکالیف کا سلسلہ جاری رکھا مگر اہلِ زبان اور فصاحت وبلاغت کے مالک ہونے کے باوجود نہ ایک سورۃ بناسکے نہ دس سورتیں اور نہ پورا قرآن۔

اور چونکہ مشرکین کے ساتھ قرآن کے ماننے نہ ماننے کی بحث میں ضمناً توراۃ کا تذکرہ بھی آجاتا تھا اور مشرکین مکہ نے دونوں کو جادو بتادیا تھا۔ ادھر یہود ونصاریٰ اگرچہ توراۃ کو خدا کی منزل کتاب مانتے تھے مگر قرآن کے کتاب اللہ ہونے کے انکار میں مشرکین کے ہمنوا تھے اس لئے سورۂ قصص میں دونوں جماعتوں

کی عبرت و بصیرت کیلئے پورے قرآن کیلئے دعوتِ مقابلہ کو دہراتے ہوئے یہ فرمایا "قل فاتوا بکتاب من عند اللہ ھو اھدی منھما اتبعہ ان کنتم صٰدقین" آپ کہدیجئے پس تم اللہ کے پاس سے ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہادی ہو اگر تم سچے ہو۔ یعنی مشرکین کو تو اس آیت میں یہ تحدی کی کہ قرآنِ عزیز جو نظم و معانی دونوں اعتبار سے معجز ہے تم اس کا مقابلہ تو کیا کروگے۔ اتنا ہی کرو کہ توراۃ اور قرآن کے بیان کردہ قوانینِ ہدایت سے بہتر ہدایت کے قوانین خدا کے پاس سے لے آؤ تاکہ تم سچے ثابت ہو اور (العیاذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دعویٰ باطل ہو جائے۔

اور یہود و نصاریٰ کو عبرت و بصیرت کا یہ سبق دیا کہ جس طرح تمہارے نزدیک توراۃ کے متعلق مشرکین کا انکار بے دلیل انکار ہے اسی طرح قرآن کے کلام اللہ نہ ماننے میں تم نے بھی مشرکین ہی کی عصبیتِ جاہلیت کو برتا اور ان کی گمراہ کن تقلید اختیار کی ہے کاش کہ تم یہ سمجھتے کہ اگر توراۃ کے متعلق یہ دعویٰ حق ہے کہ وہ "من عند اللہ" ہے اور بلاشبہ حق ہے تو پھر قرآن جو کہ معانی و مطالب اور نظم و الفاظ دونوں لحاظ سے توراۃ سے زیادہ جامع و مانع اور کامل و مکمل اور معجز ہے اور جو پورے قرآن سے لیکر ایک سورۃ اور ایک سورۃ سے لیکر پورے قرآن کیلئے تا قیامِ قیامت دعوتِ مقابلہ دے رہا ہے تو اس کو خدا کا کلام تسلیم نہ کرنا ہٹ دھرمی بیجا تعصب اور بے دلیل جحود و انکار نہیں تو اور کیا ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

الحاصل قرآنِ عزیز نے منکرین اور جاحدین کیلئے تحدّی (چیلنج) اور دعوتِ مقابلہ کا جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ شانِ نزول اور الہامی ترتیب دونوں اعتبارات سے بغیر کسی شک و شبہ اور اشکال و ایراد کے معقول اور علمی نقطۂ نظر سے معجز ہے۔